ڈاکٹر شوکت علی قمر

کلاسیکل پنجابی شاعری: اجمالی جائزہ

Classical Punjabi literature has a rich tradition of poetry. Most of classical Punjabi poets were sufi poets who enriched the literature as well as language. This article presents an introduction to prominent Punjabi classical poets.

ہماری قدیم، عظیم اور میٹھی پنجابی زبان کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ یہ صوفیوں اور درویشوں کے ہاتھوں جوان ہوئی ہے اور اس کا سندر رنگ روپ روحانی آب و تاب رکھتا ہے۔ پنجابی زبان کی کلاسیکل شاعری جسے صوفیانہ شاعری بھی کہا جاتا ہے اپنے دامن میں بیش بہا انمول لعل جواہر لئے بیٹھی ہے۔ ہمارے تمام پنجابی صوفی شعراء بیک وقت صوفی، عوامی، کلاسیکل اور آفاقی شاعر ہیں۔

دانشوروں نے کلاسیکل یا کلاسیکی لفظ کی خوبصورت انداز میں مختلف شرحیں بیان کی ہیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ'' کلاسیکل شاعری وہ شاعری ہوتی ہے جو ہر زمانے کے ساتھ اپنے فکری اور فنی انداز میں زندہ اور جوان رہتی ہے۔''(۱)
یہ معنوی گہرائی کے حوالے سے ہر دم تازہ محسوس ہوتی ہے۔ کلاسیکل شاعری ماضی کا عظیم سچ ہے جو صدیوں کے گزر جانے کے باجود نیا لگتا ہے اور ہمارے حال میں سانس اور لہو بن کر ہمیں زندگی کی قوت بانٹتا رہتا ہے۔
کلاسیکل شاعری ہر عمر کے لوگوں کو زندگی کی حقیقی خوشی دیتی ہے اور ہر قسم کے تعصب کی مذمت کرتی ہے۔ کلاسیکل شاعری ہمیشہ نئی منزلوں اور نئی سمتوں کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور داخلی و خارجی حوالے سے معنوی جہانوں میں لے جاتی ہے جہاں لفظوں کے نئے نئے اور تہہ در تہہ روپ سامنے آتے رہتے ہیں۔ یہ شاعری جذبوں کی سچی اور عظمت کی مالک زندگی کی آئینہ دار ہے۔ اس کا تعلق معاشرت، تہذیب اور لوک روایات سے گہرا ہوتا ہے۔ یہ شاعری ماضی کے ورثے کو حال کے شعور، سچ اور آشوب میں اس طرح سموتی ہے کہ اس میں ابدی حقیقت ہماری مٹی کی خوشبو بن جاتی ہے۔ کلاسیکل شاعری روحِ عصر کے حوالے سے انسانی محرومیوں، دکھوں، خواہشوں، امیدوں اور خوشیوں کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ ''یہ شاعری اپنے عہد کے علاوہ آنے والے ہر دور میں عوامی اہمیت رکھتی ہے اور زبان کے حوالے سے بھی یہ مکمل اور مستند عوامی شاعری ہوتی ہے۔''(۲)
انسانی احساس، فکر، گہرائی اور وسعت کے حوالے سے کلاسیکل شاعری نئے امکانات کی حقیقی اور بڑی شاعری ہے جو ہر عہد کے لوگوں کے دلوں میں خوشبو بن کر مہکتی ہے۔ بلاشبہ کلاسیکل شاعری دائمی سدا بہار، ازلی اور ابدی شاعری ہے۔
کلاسیکل شاعری کی مندرجہ بالا تعریف پر ہمارے پنجابی صوفی شعراء نہ صرف پورے اترتے ہیں بلکہ عرفانی اور وجدانی حوالے سے ہمارے کلاسیکل پنجابی شعراء زمین کے ساتھ آسمان کے رشتے اس طرح جوڑتے ہیں کہ بندے اور خدا کا رشتہ مضبوط ہو جاتا ہے۔ اسلامی تصوف کے حوالے سے ہمارے پنجابی صوفی شعراء عالمی ادب میں اپنا ایک معتبر اور اہم منفرد مقام رکھتے ہیں۔ پنجابی کی صوفیانہ اور کلاسیکل ابدی شاعری میں بابا فریدؒ گنج شکر، شاہ حسینؒ، سلطان باھوؒ، بلھے شاہؒ، علی حیدرؒ، وارث شاہؒ، سید ہاشم شاہؒ، بچل سرمستؒ، میاں محمد بخشؒ، خواجہ غلام فریدؒ، اور مولوی غلام رسول عالمپوریؒ بڑے عوامی صوفی کلاسیکل اور

آفاقی شاعر مانے جاتے ہیں۔ پنجابی کے تمام کلاسیکل یا صوفی شعراء کی فکری اساس اسلامی روح اور اسلامی تصوف ہے۔ ''اسلامی تصوف کی تاریخ حضورؐ پُرنور کے مجاہدات اور عبادات سے شروع ہوتی ہے۔''(۳) ''حضورؐ پاک کے صحابہ کرامؓ فقر اور زہد کے بڑے اعلیٰ نمونے تھے۔''(۴) جس طرح عربی اور فارسی کے صوفی شعراء نے اسلامی تصوف کی جامع اور موثر صوفیانہ شاعری کی ہے، اسی طرح پنجابی صوفی شعراء کی کلاسیکل شاعری کے موضوعات بھی خالصتاً اسلامی تصوف کے ہیں۔ جن میں توحید، رسالت، یادِ الٰہی، فقر، زہد، صبر، شکر، عجز، توبہ، علم و عمل، ذکر، فکر، غنا، عشق، حیرت، وصل کی سرمستی، وصال کی تڑپ، جذب و مستی، بیداری، نفس کی پہچان، روحانی پاکیزگی، دل کی حضوری، ہجر و فراق، موت کی حقیقت، جزا و سزا، گناہ کا خوف، دنیا داری و ریاکاری کی مذمت، فلسفۂ وحدت الوجود، توکل، فکرِ آخرت، نیک اعمال پر زور اور ظاہری و باطنی جمالیات کے مضامین سرِ فہرست ہیں۔ ہمارے صوفی شعراء نے مادہ پر روح اور دنیا پر آخرت کو فوقیت دی ہے۔ پنجابی صوفی شعراء صرف باطنی مجاہدات اور سرمستی کی داخلی دنیا میں ہی گم ہو کر نہیں بیٹھ رہے بلکہ انہوں نے اپنے عصری، سماجی، معاشرتی، سیاسی، تہذیبی اور اخلاقی آشوب پر بھی گہری نظر رکھی ہے، اور انھوں نے لوگوں کی زبان میں لوک تہذیبی علامتوں کے ساتھ سادہ مگر پُرتاثیر لہجے میں لوگوں کے دکھ درد بیان کر کے عصری غم نگاری کی ہے۔ پنجابی صوفی شعراء نے فرقہ پرستی، معاشرتی تعصب، مذہبی تنگ نظری، ناانصافی، ظلم، جبر اور ہر قسم کے استحصال کے خلاف عوامی اور علامتی انداز میں مزاحمتی یا انقلابی شاعری سے عوام کے زخموں پر مرہم پاشی کی ہے۔ ''پنجابی صوفی شعراء نے جاگیرداری نظام کے خلاف بھرپور آواز اٹھائی ہے۔''(۵) اپنے عصری آشوب پر کسی صوفی شاعر نے بلند آہنگ میں بات کی ہے تو کسی نے دھیمے لہجے میں بات کی ہے اور کسی نے علامتی انداز میں ظلم جبر کی مذمت کر کے عوامی صوفی شاعر ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ ہمارے ہر صوفی شاعر کی کھلم کھلا ازمہا مصنوعی جبر اور تنگ نظر مذہبی روایات سے کھلم کھلا جنگ رہی ہے۔ ہمارے صوفیا نے تصوف کی اصل روح۔ انسانی مساوات، عدم تعصب، رواداری اور ''آفاقی انسانی محبت''(۶) کی بھرپور آفاقی شاعری کی ہے۔ یہاں یہ بات خصوصی اہمیت رکھتی ہے کہ ہمارے صوفی شعراء نے اپنی خانقاہوں یا اپنے روحانی حلقوں میں گم ہو کر زندگی نہیں گزاری بلکہ انھوں نے فعال اور بھرپور معاشرتی زندگی گزاری ہے اور لبری روحِ عصر بن کر عوام کے دکھ درد کو اپنا دکھ درد سمجھ کر انسانیت سے اپنی آفاقی سانجھ بھائی ہے۔ اصنافِ سخن کے حوالے سے ہمارے صوفی شعراء کی کلاسیکل شاعری کبھی شلوکوں میں نکھری ہے، کبھی اس نے کافیوں، سی حرفیوں، بیتوں اور دوہڑوں کا خوبصورت روپ دھارا ہے اور کبھی اس نے داستانوں کے مثنوی اور لمبے بیتوں کے رنگ میں عوامی رومانی کرداروں کی حقیقی رمز بن کر انسانی فکر، سوچ اور انسانیت کی بھرپور اصلاح اور آبیاری کی ہے۔ فنی حوالے سے بھی کلاسیکل شاعری مترنم اور گائیکی سے بھرپور عوامی شاعری ہے۔ بقول ''ڈاکٹر لاجونتی رام کرشن ..... پنجابی صوفیانہ شاعری ادبی حوالے سے بھی اعلیٰ مقام رکھتی ہے۔''(۷)

تمام پنجابی صوفی شعراء ..... فارسی اور عربی کے نہایت جید عالم تھے۔ مگر انہوں نے لوگوں کی زبان کو اپنے اظہار کا وسیلہ بنایا ہے اور پنجابی زبان میں اعلیٰ مقام کی صوفیانہ کلاسک شاعری سے پنجابی زبان کی روحانی آبیاری کی ہے اور اس کی جڑیں زمین میں پاتال تک پھیلا دی ہیں۔ اب ہم ان صوفی شعراء کی لافانی شاعری پر اجمالی نظر ڈالتے ہیں۔

باباؒ فرید گنج شکر.....(۱۱۸۸ تا ۱۲۸۰)(۸)

بابا فرید گنج شکر پنجابی کے پہلے بڑے باقاعدہ صوفی شاعر بن کر سامنے آتے ہیں۔ بابا فریدؒ سے پہلے پنجابی زبان میں لوک شاعری اور ناتھ جوگیوں کی فعال اصلاحی شاعری ملتی ہے۔ پھر اسلامی فکر کے حوالے سے ہمیں حاجی بابا رتنؒ اور شاہ شمسؒ سبزواری کے کچھ شعری نمونے بھی ملتے ہیں۔ ناتھ جوگیوں نے شلوکوں میں شاعری کی ہے۔ شلوک ایک ہیئتی اکائی ہے جو مختصر

نظم کا ایک شعری جامع فکری روپ ہے۔ بابا فریدؒ نے بھی رائج الوقت عوامی صنف شلوک میں ہی اسلامی، اخلاقی اور روحانی شاعری کی ہے۔ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ پنجابی زبان ایک قدیم زبان ہے جو مختلف زمانوں میں مختلف ناموں سے موسوم رہی ہے۔ جیسے لاہوری، ہندی، ہندوی، ملتانی، ریاستی، لہندی، اور جٹکی وغیرہ۔ پنجابی زبان کو عہدِ اکبری میں پنجابی کے نام سے لکھا گیا ہے۔ اس حوالے سے بابا فریدؒ کی شاعری کو ملتانی شاعری بھی کہا گیا ہے۔ بابا فریدؒ اسلام کے عظیم داعی، روحانی بزرگ اور عارفانہ شاعری کے مالک تھے۔ ان کی شاعری میں تہذیبی علامتوں کے حوالے سے یادِ الٰہی، اسلامی تبلیغ، کردار کی اصلاح اور روحانی شعری اظہار کے شاندار اور باوقار نمونے ملتے ہیں۔ دراصل بابا فریدؒ کی شاعری اسلامی فکر اور عملی اساس کی شاعری ہے جس پر اسلامی مذہبی رنگ بڑا گہرا ہے۔ ان کے ہاں اسلامی تصوف کے مضامین کم بیان ہوئے ہیں۔ مگر یادِ الٰہی، عبادت، اخلاق اور فکرِ آخرت کے حوالے سے انھوں نے انسانیت کی بڑی جامع اور فعال شاعری کی ہے۔ بابا فریدؒ ..... حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے خلیفہ خواجہ بختیار کاکیؒ کے مرید تھے۔ اور یہ دونوں بزرگ فارسی کے قادر الکلام شاعر بھی تھے۔ بابا فریدؒ نے پنجاب میں اسلام کے فروغ کے لیے تاریخی کردار ادا کیا ہے اس لئے آپ کو ''محسنِ پنجاب'' بھی کہا جاتا ہے۔ بابا فریدؒ کا کلام سکھ مت کے بانی بابا گورو نانک نے اپنی کتاب ''آدگرنتھ'' میں شامل کیا ہے۔ آپ کی زبان پر ہندی بھاشا کا گہرا اثر ہے مگر آپ کا لہجہ سادہ اور عوامی ہے۔ بابا فریدؒ نے عصری سماجی، سیاسی اور تہذیبی آشوب کو اپنی شاعری میں سمو کر لوگوں کو امن، سلامتی اور روحانی سکون کا پیغام دیا ہے۔ آپ کی کلاسیکل شاعری میں ..... توحید، بندگی، اطاعت، فقر، صبر، شکر، ذکر، رضا، ہمت، عجز، علم، عمل، خودی، دنیا کی بے ثباتی، فکرِ آخرت، موت کی حقیقت، بیداری، نیک اعمال کی تلقین، عشقِ حقیقی، رفانِ مرشد سے محبت، تحمل و برداشت، آس امید، اخلاق، روحانی سرمستی، ریا کاری کی مذمت، انسانیت اور ہجر و فراق کے مضامین بڑے پُراثر اور عوامی زبان میں بیان ہوئے ہیں، آپ کی شعری علامات میں ..... ساہوڑا گھر، پکیا گھر، واہ، ہنس، کاگ، بگلا، ماکھی، گڑو، سائیں، چھپڑ، سہاگ، جنگل، دریا، شوہ، نین، مٹی، مینہہ، کھیتی، کھوہی، کوکل، دودھ، لیکھا، تندور، دکھڑا، مانجھی، کنڈھی، اگ، واسا اور اس طرح کی دوسری علامتیں رمز و معانی کے خوبصورت جہان دکھاتی ہیں، جہاں شعور و آگہی اور وجدان کی سرمست و بیدار کائنات پھیلی ہوئی ہے۔ آپ کے کلام میں خود کلامی کا ذومعنی آہنگ فکر و فن کا خوبصورت امتزاج رکھتا ہے۔ بابا فریدؒ کے صوفیانہ کلام کی چند مثالیں دیکھئے اور فکر و نظر کو سیراب کیجئے:

فریدا جے توں عقل لطیف کالے لکھ نہ لیکھ
آپنڑے گریوان میں سر نیواں کر کے ویکھ (۹)

رکھی سکھی کھا کے ٹھنڈا پانی پی
فریدا ویکھ پرائی چوپڑی نہ ترسائیں جی (۱۰)

فریدا خاک نہ نندیئے خاکو جیڈ نہ کوئ
جیوندیاں پیراں تھلے مویاں اُپر ہوئ (۱۱)
بڈھا ہویا شیخ فرید کنبن لگی دیہہ
جے سو ورھیاں جیونا بھی تن ہوسی کھیہہ (۱۲)

''اللہ نور السمٰوات والارض'' اور فلسفۂ وحدت الوجود کے حوالے سے بابا فریدؒ کا درج ذیل شلوک زبان زد خاص و عام ہے اور اس میں انسانیت کے احترام کا درس بھی موجود ہے۔

فریدا خالق خلق میں، خلق وسے رب مانہہ
مندا کس نوں آکھیے جاں تس بن کوئی نانہہ (۱۳)

بلاشبہ بابا فریدؒ ..... پنجابی زبان کے پہلے آفاقی صوفی شاعر ہیں، جن کی کلاسیکل شاعری فکری اور فنی حوالے سے لافانی شاعری ہے۔ بابا فریدؒ کے لقب ''گنج شکر'' سے متعلق کئی روایات موجود ہیں، ان کی حقیقت اپنی جگہ، مگر یہ بڑا سچ ہے کہ بابا فریدؒ کی شکر جیسی میٹھی ابدی شاعری آٹھ صدیوں سے قلب و جاں کی تمام کڑواہٹیں دور کر رہی ہے۔

شاہ حسینؒ (۱۵۳۸ تا ۱۵۹۹ء)(۱۴)

شاہ حسینؒ پنجابی کے دوسرے صوفی شاعر ہیں۔ بابا فریدؒ اور شاہ حسینؒ کے درمیان تین سو (۳۰۰) برسوں میں کسی صوفی شاعر کا کلام دستیاب نہیں ہوسکا۔ البتہ امیر خسروؒ اور گورونانک کا شعری ادبی ورثہ ضرور ملتا ہے۔ زندگی اور تصوف کے حوالے سے شاہ حسینؒ کی زندگی بڑی ہنگامہ خیز گزری ہے۔ آپ حضرت بہلول دریائیؒ کے مرید تھے۔ آپ نے زہد و عبادت اور روحانی مجاہدات میں زندگی کے چھتیس (۳۶) سال مکمل شرعی حالت میں گزارے۔ مگر ایک دن قرآنی آیت (ترجمہ) ''یہ دنیا کھیل تماشے کے سوا کچھ نہیں'' کی تفسیر پڑھتے ہوئے اچانک مجذوبی رنگ اختیار کر لیا اور بقیہ زندگی مجذوبیت اور ملامتی رنگ میں گزار دی۔ ایک ہندو لڑکے مادھولال کے حوالے سے (جو آپ کا مرید بن گیا تھا) آپ پر تہمتیں بھی لگیں۔ اسی طرح لاہور میں موجود شاہنشاہ اکبر اور جہانگیر کے حوالے سے بھی آپ سے متعلق کئی مناظراتی اور اعتقادی واقعات بیان کیے جاتے ہیں۔ آپ کی کئی کرامات مشہور ہیں۔ آپ لاہور کی سڑکوں پر سرمست ہو کر ناچتے اور گاتے رہتے ہیں۔

شاہ حسینؒ کو پنجابی کافی کا بانی مانا جاتا ہے۔ آپ نے فارسی میں تصوف کا ایک رسالہ ''تہنیت'' بھی لکھا ہے۔ آپ کی شاعری ایک مسلمان فقیر کی عارفانہ اور کلاسیکل پُرسوز شاعری ہے۔ آپ کا میٹھا اور دھیما لہجہ عاجزانہ اور مستانہ ہے۔ نسائی لہجے میں آپ کی منفرد وجدانی کلاسیکل شاعری قلب و جاں کو سرمست بنا دیتی ہے۔ شاہ حسینؒ نے چرخے جزئیات کے حوالے سے بڑی رمز بھری علامتی شاعری کی ہے اور چرخے کی ''ہتھی'' سے انسانی زندگی کو گھما کر رکھ دیا ہے۔ آپ پہلے صوفی شاعر ہیں جنھوں نے ہیر اور رانجھے کے رومانی کرداروں کو روحانی علامتوں میں بیان کیا ہے۔ آپ کی شعری علامات / ہیر (روح)، رانجھا (خدا)، چرخہ (جسم)، تکلا (دل)، چرخے کا چلنا (بندگی، بیداری)، پونی (نیک اعمال)، پیکا (دنیا)، سوہرا (آخرت)، کالا ہرن (نفسِ امارہ) وغیرہ شعور و آگہی اور فکر و معانی میں ابدی چراغ جلا رہی ہیں۔ آپ کے شعری موضوعات میں توحید، عجز، فقر، ذکر، عشق کی سرمستی، بیداری، عمل، فکرِ آخرت، دنیا کی بے ثباتی، موت برحق وائل، گناہ کا احساس، زاری، دعا، وصل کی آرزو، دل کی پاکیزگی، ہجر و فراق، درد کی مصوری، دل کی حضوری، لالچ اور ریاکاری کی مذمت، مرشد سے محبت، سماجی سچ، سچی عبادت اور فلسفۂ وحدالوجود کے مضامین اسلامی تصوف کی خوبصورت عکاسی کرتے ہیں۔ فنی حوالے سے آپ کی کافیوں پر گیت رنگ غالب ہے جو تغزل کا مزہ بھی دیتا ہے۔ شاہ حسینؒ کی گائی اور راچتی کلاسیکل کافیوں کی جھلک دیکھیے۔ شعری روانی اور جادو بیانی پورے کمال اور جمال کے ساتھ جلوہ افروز ہے۔

نی تینوں رب نہ بھلی دعا فقیراں دی ایہا
سونا روپا سبھ چھل وسی، لگا عشق نہ لیہا (۱۵)

چرخہ بولے ''سائیں سائیں'' بائر بولے ''توں''
کہے حسین فقیر سائیں دا میں ناہیں سب توں (۱۶)

اندروں بے باہر توں ہیں روم روم وچ توں
توں ہی تانا توں ہی بانا سب کجھ میرا توں (۱۷)

مائے نی میں کیہنوں آکھاں درد وچھوڑے دا حال
رانجھن رانجھن کردی نی میں آپے رانجھن ہوئی

مائے نی مینوں کھیڑیاں دی گل نہ آکھ
رانجھن میںڈا میں رانجھن دی کھیڑیاں کوڑی جھاک (۱۸)

عملاں اُپر ہوگ نبیڑا، کیا صوفی کیا بھنگی
جو رب بھاوے سو ای تھیسی، سو ای بات ہے چنگی (۱۹)

حضرت سلطان باہوؒ (۱۶۲۹ تا ۱۶۹۱ء) (۲۰)

حضرت سلطان باہوؒ پنجابی کے تیسرے بڑے صوفی شاعر ہیں۔ آپ کا اصل نام باہو اور لقب سلطان ہے۔ والد صاحب مغل بادشاہ شاہجہان کے فوجی عہدے دار تھے، جن کو بہادری کے صلے میں شور کوٹ کے قریب زمین ملی۔ آپ کی تربیت میں آپ کی والدہ راستی بی بی کا نمایاں کردار ہے۔ حضرت باہوؒ حضرت عبدالرحمٰنؒ دہلوی کے مرید تھے مگر روحانی طور پر آپ براہ راست حضور اکرمؐ سے فیض یاب تھے۔ پنجاب میں اسلام کے فروغ میں آپ کا کردار فعال رہا۔ آپ کا چہرہ اتنا حسین اور پُر نور تھا کہ غیر مسلم آپ کو دیکھ کر مسلمان ہو جاتے تھے۔ آپ نے سخت مجاہدے اور ریاضتیں کیں۔ آپ کی کئی کرامات مشہور ہیں۔ آپ فارسی اور عربی کے جید عالم تھے۔ آپ کی پُر سحر شخصیت اور بزرگی و درویشی کی شہرت چار سُو تھی۔ حضرت باہوؒ کے حوالے سے جھنگ کا نام معتبر ہوا۔

حضرت باہوؒ نے فارسی نثر و نظم میں ایک سو انتالیس (۱۳۹) کتابیں لکھیں مگر آپ کی پنجابی صوفیانہ شاعری کی مختصر کتاب ''ابیاتِ باہو'' کو شہرہ آفاق نمود و عزت ملی۔ آپ سے پہلے گورونانک اور کچھ شعراء کا سی حرفی کے رنگ میں کلام ملتا ہے۔ مگر باقاعدہ طور پر اسلامی تصوف کے حوالے سے آپ پنجابی سی حرفی کے پہلے صوفی شاعر ہیں۔ آپ کی سی حرفی کی مخصوص ''ھو'' والی ردیف ایک ایسی عرفانی اور وجدانی آواز ہے، جو قلب و نظر میں روحانی سرمستی اور عرفان و آگہی کی روشنی بانٹتی چلی جاتی ہے۔ آپ خالصتاً اسلامی تصوف کے باوقار اور گہرے عوامی صوفی شاعر ہیں اور آپ کی شاعری میں مجازی رنگ بالکل نہیں ملتا۔ آپ اول و آخر باعمل صوفی شاعر ہیں۔ آپ کی شاعری کا بڑا حصہ عشقِ حقیقی کے فلسفے، تصورِ مرشد و مرشد کی اہمیت اور مقامِ فقر کی تفہیم پر مشتمل ہے۔ آپ کے لہجے میں عرفانی جوش و ولولہ، مردانگی، بے باکی، حق گوئی اور دردمندی کا رنگ نمایاں ہے۔ آپ کے شعری موضوعات میں حبِ الٰہی، حبِ رسولؐ، فلسفۂ وحدت الوجود، مرشد سے والہانہ محبت، عشق کی سرمستی، فکرِ آخرت، دنیا کی بے ثباتی، حبِ دنیا سے نفرت، ہجر و وصل، ریاکاری اور ظاہرداری کی مذمت، فقر، عجز، جذب و مستی، توکل، ہمت، عمل، بیداری اور انسانی فلاح کے مضامین خوبصورت سرمدی اور عوامی ابلاغ کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ علامہ اقبال پر آپ کی عرفانی شاعری کا گہرا اثر موجود ہے۔ علامہ اقبال نے شاہین کے تصور آپ کی شاعری سے ہی لیا ہے۔ حضرت باہوؒ کی زبان پر عربی اور فارسی کے گہرے اثرات ہیں۔ آئیے حضرت باہوؒ کے شعری گلستاں میں چلتے ہیں اور خوشبوئیں سمیٹتے ہیں۔

الف اللہ چنبے دی بوٹی مرشد من وچ لائی ھو
نفی اثبات دا پانی ملیس ہر رگے ہر جائی ھو
اندر بوٹی مشک مچایا جاں پھلاں تے آئی ھو
جیوے مرشد کامل باھو جیں ایہہ بوٹی لائی ھو (۲۱)

ایہہ تن رب سچے دا حجرہ وچ پا فقیرا جھاتی ھو
نہ کر منت خواج خضر دی تیں اندر آب حیاتی ھو (۲۲)

باجھ حضوری نہیں منظوری پڑھن بانگ صلاتاں ھو
روزے، نفل، نماز گزارن جاگن ساریاں راتاں ھو (۲۳)
میں شہباز کراں پروازاں وچ افلاک کرم دے ھو
زباں تاں میری "کن" برابر موڑاں کم قلم دے ھو (۲۴)

اندر ھو تے باہر ھو وت باھو کتھ لبھیندا ھو
ھو دا داغ محبت والا ہر دم پیا سڑیندا ھو (۲۵)

دل دریا سمندروں ڈونگھے کون دلاں دیاں جانے ھو
وچے بیڑے وچے جھیڑے وچے ونجھ مہانے ھو
چوداں طبق دلے دے اندر تنبو وانگن تانے ھو
جوئی دل دا محرم ہووے سوئی رب پچھانے ھو (۲۶)

سیّد بلھے شاہؒ (۱۶۸۰ءتا ۱۷۵۸ء)(۲۷)

سیّد بلھے شاہؒ پنجابی کے بے باک، سرمست اور مقبول عوامی صوفی شاعر ہیں۔ اصل نام عبداللہ ہے۔ شاعری کی وجہ سے بلھا شاہ کہلائے۔ روایت کے مطابق سیّد بلھے شاہؒ اور سیّد وارث شاہؒ دونوں ہم مکتب تھے، جہاں قصور میں آپ نے معروف عالم غلام مرتضےٰ قصوری سے دنیاوی علوم حاصل کئے۔ آپ نے سخت روحانی مجاہدے کئے پھر عنایت شاہؒ قادری کے مرید ہوئے جو حضرت میاں میرؒ کے شطاری قادری سلسلے کے بزرگ تھے۔ مرید و مرشد کا والہانہ پیار اتنا مشہور ہوا کہ دونوں ایک دوسرے کی پہچان بن گئے۔ آپ محفل سماع کے دلدادہ تھے اور عالم جذب و مستی میں "تھیا تھیا" کرکے ناچتے اور گاتے تھے۔ آپ صلح کل صوفی درویش تھے اور ہر مذہب کے لوگ آپ کے معتقد تھے۔ آپ نے راہ طریقت میں ملامتی زندگی اختیار کی۔ آپ کی کئی کرامتیں زبان زد عام ہیں۔ پنجاب اور سندھ کے عرائس میں آپ کا کلام خصوصی روحانی شوق و ذوق سے گایا اور سنا جاتا ہے۔

حضرت بلھے شاہؒ قادر الکلام عوامی صوفی شاعر تھے۔ آپ نے دکھی انسانیت کیلئے عوامی سطح پر آفاقی اور کلاسیکل شاعری کی ہے۔ آپ نے شاہ حسینؒ کی پیروی میں پنجابی کافی کو اپنے سرمدی صوفیانہ مضامین سے سرمست بنا دیا ہے اور چرخے کی علامتوں کو عوامی اور صوفیانہ رنگ میں بیان کیا ہے۔ آپ نے کافی کے علاوہ سی حرفی، باراں ماہ، دوہڑے اور گنڈھاں میں بھی رمزیہ اور عارفانہ شاعری کی ہے۔ آپ صاحب حال اور صاحب قال صوفی درویش تھے۔ آپ کے کلام میں پنجاب کی ثقافت کی خوبصورت مصوری ملتی ہے۔ سنائی لہجے میں آپ کی پر درد رمزیہ شاعری قلب و جاں میں سوز و گداز کی نرالی مستی عطا کرتی ہے۔ سیّد بلھے شاہ ..... پنجاب میں فلسفۂ وحدت الوجود کے بے باک پرچارک مانے جاتے ہیں۔ آپ کی شاعری میں عصری آشوب کی پُردرد عوامی عکاسی بھی ملتی ہے۔ آپ نے لوک لہجے میں ہیر اور رانجھا کے رومانی کرداروں کو روحانی سانچے میں ڈھال کر اسلامی تصوف کے مضامین کو دلکش اور دلنشیں انداز میں پیش کیا ہے۔ آپ کے عارفانہ شعری مضامین میں توحید، عشق الٰہی، مرشد کے

ساتھ والہانہ محبت، فلسفۂ وحدت الوجود، فنا فی اللہ، فقر، عمل، عجز، اخلاق، انسانی مساوات، رواداری، مذہبی وسعت نظری، ظلم جبر کے خلاف مزاحمت، ریاکاری کی مذمت، فکر آخرت، بیداری، دنیا کی بے ثباتی، تحمل، وصل کی سرمستی، آتش ہجر، تڑپ، بے خودی، امن، نفس کی پاکیزگی، موت کی حقیقت، سماجی درد، آفاقی انسانی محبت اور روحانی سرشاری کے خوبصورت ابدی رنگ عوامی صوفیانہ شاعری کی لافانی قوس قزح دکھلا رہے ہیں۔ آپ کی زبان عوامی اور لہجہ پُراثر ہے۔ بلھے شاہ کی عرفانی کلاسیکل شاعری کے چند سدا بہار پھول دیکھیے:

پھڑ نقطہ چھوڑ حساباں نوں کر دور کفر دیاں باباں نوں
چھڈ دوزخ گور عذاباں نوں کر صاف دلے دیاں خواباں نوں
گل ایسے گھر وچ ڈھکدی اے اک نقطے وچ گل مکدی اے (۲۸)

رانجھا رانجھا کردی نی میں آپے رانجھا ہوئی
سدّو نی مینوں دھیدو رانجھا ہیر نہ آکھو کوئی (۲۹)

تیرے عشق نچایا کر کے تھیا تھیا (۳۰)
جھبدے بوہڑیں وے طبیبا نئیں تے میں مر گیّاں

کرماں نہ حسن جوانی دا پردیس نہ رہن سیلانی دا
کوئی دنیا جھوٹھی فانی دا نہ رہسی نام نشان کڑے (۳۱)
کر کتن ول دھیان کڑے

نہ میں مومن وچ مسیت آں نہ میں وچ کفر دی ریت آں
نہ میں پاکاں وچ پلیت آں نہ میں موسیٰ نہ فرعون
بلھا کیہ جاناں میں کون (۳۲)

علی حیدرؒ (۱۶۹۰ تا ۱۷۸۵ء) (۳۳)

حضرت علی حیدرؒ پنجابی سی حرفی کے دوسرے بڑے صوفی شاعر ہیں۔ حضرت سلطان باھوؒ کے بعد علی حیدرؒ نے پنجابی سی حرفی کو اپنی صوفیانہ فکر سے چار چاند لگا دیئے ہیں۔ آپ مغل زوال کے بڑے دردمند مقبول صوفی بزرگ ہیں۔ آپ کے والد محمد امین قریشی عالمگیری عہد میں پیر محل کے علاقے (چونترہ، موضع قاضیاں وغیرہ) میں قاضی تھے۔ آپ نے دنیاوی تعلیم ملتان سے حاصل کی۔ اوائل عمری سے ہی آپ خدا اور رسولؐ کی محبت میں سرمست رہتے تھے۔ آپ نے دہلی جا کر معروف چشتی بزرگ خواجہ فخر جہاںؒ دہلوی کی مریدی اختیار کی۔ خواجہ نور محمد مہارویؒ آپ کے پیر بھائی تھے۔ علاقے کے قاضی بنائے گئے مگر دنیاوی شہورت سے بے نیازی اور فقیری کے ہاتھوں جاہ و منصب کو تج دیا۔ آپ مزاج کے سادہ، اعلیٰ انسان اور اونچے درویش تھے۔ آپ باشرع اور باعمل صوفی بزرگ تھے۔ علاقے میں آپ کی کئی کرامات مشہور ہیں۔ آپ سے والہانہ عقیدت رکھنے والوں میں مولوی لطف علی بہاولپوری، خواجہ نور محمد مہارویؒ، حضرت عبدالحکیمؒ، خواجہ سلیمان تونسویؒ، خواجہ اللہ بخش تونسویؒ،

خواجہ غلام فریدؒ اور پیر مہر علی شاہؒ گولڑوی کے نام سر فہرست ہیں۔

حضرت علی حیدرؒ نے عوامی طرز و آہنگ میں بڑی بھرپور صوفیانہ شاعری کی ہے۔ بار لہجے میں آپ کا عارفانہ کلام پورے پنجاب میں مشہور ہے۔ چشتی درگاہوں پر آپ کا کلام خصوصی محبت اور عقیدت سے گایا جاتا ہے۔ آپ نے ہیر رانجھا کی مجازی علامتوں کو سرمست روحانی علامتیں بنا کر عشق حقیقی کی وجدانی شاعری کی ہے۔ عشق مجاز کے پردے میں آپ کی عشق حقیقی کی عرفانی عوامی شاعری-- آفاقی کلاسیکل پنجابی شاعری کا عظیم سرمایہ ہے۔ آپ کے شعری آہنگ کے پیچھے عرفانی دھمال کی آواز صاف سنائی دیتی ہے۔ آپ مغل زوال کے آشوب کے بڑے شاعر ہیں۔ آپ نے نادر شاہ کے حملے کے خلاف مغل فوج کی بزدلی کی پُرزور لہجے میں مذمت کی ہے۔ آپ نے بے قرار اور پریشان لوگوں کو حوصلے، امید اور امن کا پیغام دیا ہے۔ دیس پیار کے حوالے سے علی حیدرؒ بےباک عوامی شاعر بن کر سامنے آتے ہیں۔ نسائی لہجے میں آپ کی سوز و گداز اور جذب و مستی میں ڈوبی وجدانی میٹھی اور دلکش شاعری من کے تار ہلا دیتی ہے۔ آپ نے سی حرفی کی ہیئت میں بڑی فنی رنگارنگی پیدا کی ہے۔ آپ نے اپنی سی حرفی کو بیک وقت کافی، گیت، غزل، رباعی اور ڈھولا کی دلکش صنف بنا کر فکر و فن کے ابدی چراغ جلا دیئے ہیں، آپ نے سی حرفی میں چار مصرعوں سے لے کر بیس (۲۰) مصرعوں تک کے بند یا ابیات لکھے ہیں۔ علی حیدرؒ نے سی حرفی کی فنی ضروریات کا بھی پورا خیال رکھا ہے۔ آپ کے شعری موضوعات میں توحید، رسالت، فلسفۂ وحدت الوجود، ربی عشق کی سرمستی و سپردگی، فقر، ذکر، عمل، بیداری، تقویٰ، امید، فکر آخرت، دل کی حضوری، دنیاوی مال و منصب کی ناپائیداری، ہجر و فراق کی زاری و بےقراری، قلب کی پاکیزگی اور جذب و ہجر کے مضامین اسلامی تصوف کے ابدی خزانے بانٹ رہے ہیں۔ آپ نے بار کی ثقافت کی نادر مصوری کی ہے۔ آپ کا کلاسیکل بار لہجہ کانوں میں عرفانی رس گھول دیتا ہے۔ آیئے کچھ دیر کیلئے علی حیدرؒ کی عارفانہ شاعری کے وجدانی جہان کی سیاحت کرتے ہیں۔

الف۔ اٹھ سوائی تے گھت مدھانی ویلا پچھلی رات دا ای
الوں ہوئی دھمی تے دہی نہ جمی رڑکنا بھی کسے گھات دا ای
جٹ نہ ٹھے تے دُدھ نہ وٹے ویلا وقت برات دا ای
جویں دُدھ تھیں دہی مکھن وے حیدر تویں فرق نہ رب دی ذات دا ای (۳۴)

ب۔ بھی زہر جو کھا مرن کجھ شرم نہ ہندوستانیاں نوں
کیا حیا انہاں راجیاں نوں کجھ لج نہیں تورانیاں نوں (۳۵)

ع۔ علم دا پڑھنا نیک بہوں پر عشقے دی بات الوکھڑی اے
چن تے سورج دی روشنی بہوں پر یار دی جھات الوکھڑی اے
شب قدر دی رات بھی بہوں چنگی پر وصل دی رات الوکھڑی اے
مشکل گھاٹاں سبھے او حیدر پر برہوں دی گھات الوکھڑی اے (۳۶)

الف۔ ایتھے اوتھے اساں آس تیڈی اتے آسرا تیڈڑے زور دا ای
مینڈھ سبھ حوالڑے تیڈڑے نی سانوں خوف نہ کنڈڑے چور دا ای
تو ہیں جان سوال جواب تھوں سانوں ہول نہ اوکھڑی گور دا ای
علی حیدرؒ نوں سک تیڈڑی اے تیڈے باجھ نہ سائل ہور دا ای (۳۷)

ع۔ عشق ماہی دی ٹھُٹھی تپدی، تپدی تے بھاہ بھاہ کرے
عاشق سڑدے تے تڑ تڑ کردے باہر عشق پیا واہ واہ کرے (۳۸)

سیّد وارث شاہؒ (۱۷۲۲ء تا ۱۷۹۸ء)(۳۹)

عالمی ادب میں وارث شاہ کی کلاسیکل شاعری کو معتبر مقام حاصل ہے۔ وارث شاہ کی شہرہ عالم تخلیق ''ہیر'' ادبِ عالیہ کا لافانی شاہکار مانی جاتی ہے۔ جس کا بے شمار زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ سخن کے وارث اور عظیم داستان گو شاعر وارث شاہ جنڈیالہ شیر خاں (شیخوپورہ) میں پیدا ہوئے۔ والد صاحب کا نام گل شیر شاہ تھا۔ آپ نے ظاہری تعلیم قصور کے جید عالم غلام مرتضٰے قصوری سے حاصل کی۔ روحانی بے قراری حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کی خانقاہ تک لے گئی، وہاں خانقاہ کے گدی نشین کے مرید ہوئے۔ آپ نے امامت اور خطابت کا باوقار مذہبی پیشہ اختیار کیا۔ تحفۂ جاہد میں آپ کے کسی گہرے رومان کا ذکر ملتا ہے۔ قصبہ ملہ ہانس (ساہیوال) میں ۱۷۶۶ عیسوی میں اپنی شہرہ آفاق تخلیق ''ہیر'' لکھی۔ پھرتے پھراتے واپس اپنے آبائی قصبہ میں آئے اور بقیہ زندگی انسانیت کی خدمت کرتے اور معرفت کا درس دیتے گزار دی۔ آپ شریعت وطریقت کے باعمل صوفی بزرگ تھے۔ آپ جوش وجذبے اور زندگی کے ولولے کے حامل عرفانی دانشور تھے۔ آپ نے مغل زوال کی افراتفری، سکھوں کی دہشت گردی اور زخمی پنجاب کو قریب سے دیکھا۔ آپ کی شعری کرامتیں بھی مشہور ہیں۔

سید وارث شاہ کو عشقِ مجاز اور عشقِ حقیقی کے خوبصورت پُرسحر امتزاج کا منفرد اور صاحبِ اسلوب آفاقی شاعر مانا جاتا ہے۔ آپ کی تخلیق ''ہیر'' اٹھارہویں صدی کے پنجاب کی ہمہ پہلو تاریخ ہے۔ وارث شاہ کو پنجاب کا مصور اور ''ہیر'' کو پنجاب کا انسائیکلو پیڈیا کہا جاتا ہے۔ آپ انسانی قدروں کے علمبردار کلاسیکل شاعر ہیں۔ آپ نے قصہ ''ہیر'' کے علاوہ معراج نامہ، اشتر نامہ، چوہیڑ ہٹی نامہ وغیرہ بھی لکھا اور قصیدہ ''بردہ'' کا منظوم پنجابی ترجمہ بھی کیا ہے۔ آپ کی لافانی تخلیق ''ہیر'' خوبصورت، دلکش، پر اثر، اعلٰے معیار کی منفرد اور ڈرامائی رمزیہ داستان کے علاوہ اسلامی تصوف کے عارفانہ مضامین کی سدا بہار پھلواڑی بھی ہے۔ جس کے پتے پتے اور پھول پھول میں رمز و معانی کی پر دانش وحکمت کی سرمدی خوشبوؤں کے ابدی دریچے کھلتے چلے جاتے ہیں۔ وارث شاہ نے اپنی ''ہیر'' کا خاکہ دمودر داس، احمد کوی اور حافظ مقبل سے لیا مگر قصے کا المیہ انجام اور جداگانہ منفرد واقعاتی رنگ وروپ خود تخلیق کیا۔ آپ نے بات مجازی میں رمز حقائق کی بھرپور عکاسی کی ہے۔ وارث شاہ کی کردار نگاری، منظر نگاری، جذبات نگاری، واقعہ نگاری، درد نگاری، تہذیبی مصوری، محاکاتی رنگ، مکالمہ نگاری، طنز، شوخی، رمز نگاری اور پُر درد عرفانی جادو بیانی بے مثال، باکمال اور لازوال ہے۔ موضوعاتی رنگا رنگی سے بھرپور لمبے مقبول بیتوں میں وارث شاہ کی ''ہیر'' ہمہ جہتی فکر کا ایسا باغ ہے جس میں ہر رنگ اور ہر خوشبو کے سدا بہار پھول قلب و جاں کو مسحور و مخمور کرتے چلے جاتے ہیں۔ آپ نے عصری آشوب کی بے باک عکاسی بھی کی ہے۔ پنجاب ''ہیر'' میں سانس لے رہا ہے۔ پنجاب کی چوپالیں اور محفلیں ہیر خوانی کے ملہاری زمزموں سے مسحور چلی آ رہی ہیں۔ وارث شاہ کا ''مقولہ شاعر'' دلائی کی انمول اور انمٹ مصوری کے ساتھ ساتھ اسلامی تصوف کے معروف مضامین فلسفۂ وحدت الوجود، فقر، خودی، عشقِ حقیقی کی سرمستی، جذب و مستی، عمل، بیداری، فکرِ آخرت، دنیا کی بے ثباتی، رضا اور نفس کی پاکیزگی کی خوبصورت اور پُر تاثیر عارفانہ عکاسی بھی کرتا ہے۔ وارث شاہ نے ''ہیر'' کے آخر میں اپنے رومانی کرداروں کو روحانی علامتوں کا روپ دے کر اپنی صوفیانہ شاعری کی حیثیت منوائی ہے۔ دانش، آگہی اور عارفانہ بصیرت کے حوالے سے ''ہیر'' کے مصرعے ضرب المثل بن چکے ہیں۔ آیئے وارث شاہ کی کلاسیکل شعری گیلری میں چلتے ہیں۔

اول حمد خدائے دا ورد کیجے عشق کیتا سو جگ دا مول میاں
پہلوں آپ ہی رب نے عشق کیتا معشوق ہے نبی رسولؐ میاں (۴۰)

کہی ہیر دی کرے تعریف شاعر متھے چمکدا حسن مہتاب دا جی
خونی چونڈیا رات جیوں چن دوالے سرخ رنگ جیوں رنگ شہاب دا جی (۴۱)

بادشاہ سچا رب عالماں دا فقر اوس دے ہین وزیر میاں
بناں مرشداں راہ نہ ہتھ آوے دُدھ باجھ نہ ہندی ہے کھیر میاں (۴۲)

ایہہ جگ مقام فنا دائے سبھا ریت دی کندھ ایہہ جیونا ئے
وارث شاہ میاں انت خاک ہونا لکھ آب حیات جے پیونا ئے (۴۳)

ہیر آکھدی جوگیا جھوٹھ آکھیں کو رٹھڑے یار ملاوندائی
ایہا کوئی نہ ملیا میں ڈھونڈ تھکی جیہڑا گیاں نوں موڑ لیاوندائی (۴۴)

جیہڑے اک دے ناؤں تے محو ہوئے منظور خدا دے راہ دے نی
ایہہ قرآن مجید دے معنے نیں جیہڑے شعر میاں وارث شاہ دے نی (۴۵)

ہیر روح تے چاک قلبوت جانوں، بال ناتھ ایہہ پیر بنایا نی
پنج پیر حواس ایہہ پنج تیرے، جنھاں تھاپنا تدھ نوں لایا نی (۴۶)

سیّد ہاشم شاہ (۱۷۳۵ء تا ۱۸۴۳ء) (۴۷)

سیّد ہاشم شاہ زمانی اعتبار سے پنجابی کلاسیکل شاعری کے ساتویں عوامی صوفی شاعر ہیں۔ ہاشم شاہ کا شہرہ عالم قصہ ''سسّی پنوں'' پنجابی داستانی ادب کا پرسوز اور پر درد کلاسیکل شاہکار ہے۔ ہاشم شاہ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد محمد شریف سے حاصل کی جو جید عالم، نامور حکیم اور صوفیانہ طبیعت کے مالک تھے۔ ازاں بعد قصور سے ظاہری علوم حاصل کئے اور حکمت، رمل، نجوم میں دسترس کے ساتھ فارسی، عربی، ہندی اور سنسکرت پر عبور حاصل کیا۔ طبیعت پر درویشی رنگ غالب تھا۔ حضرت بخت جمالؒ نوشاہی قادری کے مرید ہوئے، اور لوگوں کو حکمت و معرفت کی دولت بانٹنے میں مصروف ہو گئے۔ روایت کے مطابق ہاشم شاہ نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کا علاج کیا، جس کے عوض مہاراجہ نے تھرپال (سیالکوٹ) میں جاگیر نذر کی۔ آپ سادگی اور فقیری مزاج کے دردمند انسان تھے۔

ہاشم شاہ پنجابی زبان کے مشہور اور مقبول عوامی صوفی شاعر ہیں۔ آپ قادر الکلام اور فی البدیہہ گو رمزیہ شاعر تھے۔ آپ نے تیرہ (۱۳) کتابیں لکھیں اور کئی رومانی داستانوں کو منظوم کیا۔ ان کتب میں سسّی پنوں، سوہنی مہینوال، ہیر رانجھا، شیریں فرہاد، لیلیٰ مجنوں، قصہ شاہ محمود غزنوی، گنج اسرار، دیوان ہاشم اور گیان پرکاش وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ ہاشم شاہ کو آفاقی اور لافانی شہرت قصہ سسّی پنوں اور وجدانی عرفانی دوہڑوں سے ملی ہے۔ ہاشم شاہ کی شاعری میں درد و فراق، سوز، محرومی اور انسانی احساس و جذبات نگاری کے رمزیہ دریا پوری طغیانی سے بہہ رہے ہیں۔ آپ کا مختصر قصہ ''سسّی پنوں'' سوز و گداز، عشق مجاز اور ہجر و فراق کے دہکتے جذبات کی انمٹ مصوری کے ساتھ ساتھ اسلامی تصوف کے عارفانہ اور وجدانی مضامین بھی مکمل صوفیانہ

آہنگ کے ساتھ پیش کرتا ہے، اس حوالے سے ہاشم شاہ نے کوزے میں دریا بند کر دیا ہے۔ ہاشم شاہ کے تصویری اور اکسیری دوہڑے تصوف کی خوبصورت چاشنی بانٹتے ہیں۔ آپ کو "شاعر درد و فراق" بھی کہا جاتا ہے۔ آپ کا کلام روانی، رمز بیانی، درد نگاری، واقعہ نگاری اور فکری فنی خوبیوں سے مالا مال ہے جو با جمال بھی ہے اور با کمال بھی۔ ہاشم شاہ نے اپنی "سسّی" کی رومانی کرداروں کو روحانی رنگ روپ (سسّی (روح)، پنوں (خدا)) دے کر رمز و معرفت کی خوبصورت تفہیم کیے۔ ہاشم شاہ نے رومانی کردار سسّی کو برہا ماری پیاسی روح اور دید ارحق کی فقیری تڑپ بنا کر ہمیشہ کے لیے زندہ جاوید کر دیا ہے۔ گو ہاشم شاہ نے تصوف کے سارے مضامین فقر، رضا، عجز، عرفان، فکر آخرت، جذب و مستی، عمل، بیداری وغیرہ عرفانی رنگ میں بیان کیے ہیں مگر فلسفۂ وحدت الوجود اور دنیا کی بے ثباتی کو نمایاں لہجے میں فقیری انداز میں بیان کیا ہے۔ آپ کی زبان فارسی آمیز، پر اثر، عوامی اور فصاحت و بلاغت سے معمور ہے۔ ہاشم شاہ دوہڑے کو چار مصرعوں میں لکھنے والے پہلے شاعر ہیں آپ کا پُرسوز کلام دلوں میں شعلے بھڑکاتا چلا جاتا ہے۔ ہاشم شاہ کی پر درد کلاسیکل شاعری کی چند جھلکیاں دیکھتے ہیں۔

حکمت نال حکیم ازل دے نقش نگار بنایا
ہرا رواح اسیر عشق دی، قید جسم وچ پایا
جو مخلوق نہ باہر اس تھیں ارض سما وچ آیا
ہاشم جوش بکار عشق دے، ہر اک شان وٹایا (۴۸)

دل تو ہیں دلبر بھی تو ہیں اتے وید تو ہیں دکھ تیرا
نیندر بھکھ آرام تو ہیں توں اتے تیں بن جگت اندھیرا
تیں بن پران حیاتی تو ہیں، تو ہیں تکیہ ڈیرا
ہاشم سانجھ تہاڈے دم دی ہور وسدا ملک بتھیرا (۴۹)

جبلگ ملے نہ نیئوں جاگہ میں ہیر آ ہی اکیلی
کُھن میں چوچ ہوئی جگ سارے میرا تیں بن ہور نہ بیلی
چاکا چاک میرا دل کر کے ھن مت جا چھوڑ اکیلی
ہاشم دین اللاہاں ماپے ہوئی ہیر رانجھن دی چیلی (۵۰)

اِکے تار بہار نہ رہندے نہ اِکے طور زماناں
ہر دن چال نہیں اکیلی نگیں ہر دم زور جواناں
رووَن سوگ ہمیش نہ ہووے نہیں رت رت راگ شہاناں
ہاشم بیٹھ کریاں لکھ ڈاراں ایہہ جگت مسافر خاناں (۵۱)

نازک پیر ملوک سسّی دے مہندی نال شنگھارے
عاشق ویکھ ہنجے اک واری جی تنہاں پر وارے
بالو ریت تپے وچ تڑکن بھُٹھن جوں بھٹھیارے
ہاشم ویکھ یقین سسّی دا پھیر نہیں دل ہارے (۵۲)

سچل سرمستؒ (۱۷۴۰ء تا ۱۸۲۶ء) (۵۳)

نامور درویش حضرت سچل سرمستؒ پنجابی کافی کے تیسرے بڑے اور پنجابی کلاسیکل شاعری کے آٹھویں عوامی صوفی شاعر ہیں۔آپ نے پنجاب سے باہر سندھ (خیر پور، درازا) میں پنجابی صوفیانہ شاعری کے ابدی چراغ جلائے ہیں۔آپ نے سندھ کے معروف درویش حضرت میاں صاحب ڈنہ کے صاحبزادے خواجہ صلاح الدین کے ہاں جنم لیا۔اصل نام عبدالوہاب، مادرزاد ولی تھے، جو کہتے تھے سچ ہوتا تھا، اس لئے ''سچل'' کہلائے۔حافظ قرآن تھے، ہر وقت جذب و مستی میں رہتے تھے۔ اپنے چچا اور سسر خواجہ عبدالحق قادریؒ کے مرید ہوئے۔آپ کامل عارف ولی اللہ اور منصوری فکر کے علمبردار تھے۔ساری زندگی مجذوبیت میں گزاری۔محفلِ سماع کے عاشق تھے۔عارفانہ اشعار سن کر وجد طاری ہو جاتا۔آپ نے سیاسی، سماجی اور تہذیبی آشوب کو قریب سے دیکھا۔آپ کی کئی کرامتیں مشہور ہیں۔سندھ اور پنجاب میں آپ کی سرمست شخصیت اور شاعری مشہور اور مقبول ہے۔

حضرت سچل سرمستؒ ہفت زبانی شاعر تھےآپ نے فارسی، عربی، سندھی، پنجابی، ہندی اور اردو میں بھرپور عارفانہ شاعری کی ہے۔فارسی میں آشکار اور سندھی پنجابی میں سچل اور سچو تخلص رکھتے تھے۔آپ فلسفۂ وحدت الوجود اور منصوری فکر کے بے باک صوفی شاعر ہیں۔آپ سندھ میں رہتے ہوئے پنجاب کی دھرتی سے روحانی اور فکری حوالے سے جڑے قادر الکلام کلاسیکل پنجابی صوفی شاعر ہیں۔پنجابی شاعری میں شاہ حسینؒ، بُلھے شاہؒ اور سلطان باہُوؒ کی شعری فکر سے متاثر ہیں۔بُلھے شاہؒ کے حوالے سے کہتے ہیں ''بُلھے شاہ کوئی بیراگی کیتو ئی ڈھاں دا شہر قصور'' آپ نے پنجابی میں کافیاں سی حرفیاں، دوہڑے اور غزلیں لکھی ہیں اور سرمست عارفانہ شاعری کے گلستاں کھلا دیئے ہیں۔آپ کے پنجابی کلام کو سرائیکی کلام بھی کہا گیا ہے جبکہ سرائیکی پنجابی زبان کا لہجہ ہے، کوئی علیحدہ زبان نہیں۔آپ کے کلام میں ہیر رانجھا، سوہنی مہینوال، ڈھول مارو اور لیلےٰ مجنوں کی رومانی کردار ..... روحانی علامتیں بن کر تصوف کی سرمست چاشنی بانٹ رہے ہیں۔پنجابی میں آپ نے اپنی ساری صوفیانہ فکر کو ہیر رانجھا کی رمزیہ اور عارفانہ علامت میں ڈھال دیا ہے۔اور ہیر رانجھا کی عرفانی علامتیں جابجا لافانی نقش نگاری کرتی ملتی ہیں۔ آپ وجدانی حالت میں شاعری کرتے تھے۔آپ کے کلام میں فکری فنی رنگارنگی اور سحر انگیز موسیقیت ہے۔آپ کا سوز و گداز سے مخمور رسائی لہجہ دل کی تاریں ہلا دیتا ہے۔مجازی رنگ میں آپ کی حقانی رمزیں اسلامی تصوف کی خوبصورت عکاسی کرتی ہیں۔آپ عشقیہ جذبات کے طوفانی دریا اور عرفانی فکر کے سمندر ہیں۔آپ نے با کمال شعری جمالیاتی مصوری اور جادوگری کی ہے۔حضرت سچل کے والہانہ شعری مضامین میں وحدت الوجود، عشق کی سرمستی و سپردگی، خودی، فقر، جذب و مستی، عجز، بے قراری، عمل، بیداری، نفس کی پاکیزگی، ظاہرداری اور منافقت کی بے باک مذمت، زاری، آتش درد و فراق اور وصل کی مستی کے سرمدی رنگ نمایاں ہیں اور جوش و ہوش کے منصوری لہجے میں جادو بیانی کر رہے ہیں۔آپ کی سرمست فکر لفظوں میں رقص کرتی ہے۔حضرت سچل کی عارفانہ کلاسیکل شاعری کے کچھ رنگ دیکھئے:

خود ہے اوہو ای خود ہے نہیں اور کوئی الیندا
طرحوں طرح تماشا اپنا جو آپ کریندا
عاشق تھیوے آپ تے دیکھ حسن اپنے کوں
نعرا ''اناالحق'' دا وچ بے خودی مریندا (۵۴)

میں ویساں تخت ہزار، چھوڑ کے جھنگ سیالیں دا، سیاں وے
رنگ پور میڈا روح نہ بھاوے، کھیڑے سبھ خوار
میں تاں ملک رانجھو دی تھیاں وے (۵۵)

جیہی تیہی میڈی آہسی دور نہ کریں وصال کنوں
آپوں آپ جمال وکھایو ای میں گئی ہاں ہر حال کنوں (۵۶)

بغیر عشق دے ڈوجھا کوئی کمال نہیں
نہیں جو عشق تاں اے دوست میڈا حال نہیں (۵۷)

حسن دے جو ہرکارے چڑھدے بانکے ٹین سپاہی
شہر دلیں دا کٹ کر نیوں ڈیندا عشق گواہی
عشاقاں دے سر چڑھ کر آوے فوج حسن دی شاہی
تجلی ثمانے دا توں جگ وچ پردہ رکھیں الٰہی (۵۸)

میاں محمد بخشؒ (۱۸۳۰ء تا ۱۹۰۷ء) (۵۹)

حضرت میاں محمد بخشؒ پنجابی زبان کے مشہور و مقبول عوامی صوفی شاعر ہیں۔ آپ پیدائشی ولی تھے۔ والد کا نام میاں شمس الدین قادری تھا جو حضرت پیرا شاہ غازی قلندرؒ عرف دمڑی والے (کھڑی شریف) کے گدی نشین تھے۔ میاں محمد بخشؒ نے ابتدائی تعلیم والد صاحب سے حاصل کی پھر مولوی محمد علی اور حافظ ناصر سے ظاہری علوم حاصل کئے۔ فقہ، حدیث اور تفسیر میں دسترس حاصل کی۔ حضرت سائیں غلام محمدؒ کی بیعت کی اور روحانی پیاس بجھائی آپ نے ساری زندگی درویشی اور انسانیت کی خدمت میں گزاری۔ صاحب کرامت بزرگ تھے طبیعت میں روحانی بے قراری اور جوش تھا۔ یادِ الٰہی میں سرمست رہتے تھے۔ آپ درگاہ کھڑی شریف کے گدی نشین بھی رہے اور وہیں چلہ گاہ بنا کر عبادات میں مشغول رہتے۔ کشمیر اور پوٹھوہار میں یہ کہاوت مشہور ہے کہ پہاڑوں کے لوگ میاں صاحب کی بزرگی اور عارفانہ شاعری کی وجہ سے مسلمان ہوئے ہیں۔

میاں محمد بخشؒ پنجابی کے مشہور عوامی آفاقی کلاسیکل شاعر ہیں۔ گو آپ نے سترہ کتب لکھیں مگر وارث شاہؒ کی ''ہیر'' کی مانند آپ کو اصل شہرت اپنی شہرہ آفاق مثنوی ''سیف الملوک'' سے ملی ہے۔ آپ کی دیگر کتب میں سوہنی مہینوال، شیریں فرہاد، مرزا صاحباں، قصہ شیخ صنعان، قصہ شاہ منصور، تحفہ میراں، تحفہ رسولیہ، سی حرفی، دوہڑا جات، غزلیات اور چٹھیاں وغیرہ مشہور ہیں۔ داستان ''سیف الملوک'' کو پنجابی میں سب سے پہلے مولوی لطف علی بہاولپوری نے لکھا تھا۔ میاں صاحب کی عوامی زبان، قادرالکلامی، جادو بیانی، تمثیل نگاری، واقعہ نگاری، منظر نگاری، کردار نگاری، درد نگاری، جذبات نگاری، موسیقیت، ادبی چاشنی، رمز بیانی اور عارفانہ آہنگ ایسا باکمال اور لازوال ہے کہ فکر و نظر کو مسحور و مخمور کر دیتا ہے آپ کی یہ آفاقی مثنوی پنجابی زبان کی عوامی اور عارفانہ شاعری کا شاہکار ہے۔ آپ نے عشقِ مجازی کی بھٹی میں عشقِ حقیقی کا لافانی عطر نچوڑ دیا ہے۔ آپ کی عارفانہ شاعری مولانا رومیؒ کے فلسفہ ''جز کل سے ملنے کیلئے بے چین ہے'' کی مکمل تصویر اور تفسیر ہے۔ اسی لئے آپ کو پنجاب کا رومی بھی کہا جاتا ہے۔ آپ کی تخلیق ''سیف الملوک'' رومانی کہانی کے ساتھ ساتھ انسانی عزم و ہمت، حوصلے، صبر، عمل، جدوجہد اور روحانی سفر کی دلنشیں اور پر اثر داستان بھی ہے۔ آپ کے قصے میں دیو، پریاں اور دوسری مخلوقات ماورائی ہونے کے باوجود زندہ حقیقی انسانی کرداروں میں نظر آتی ہیں، آپ نے رمزیہ تمثیلوں کے ساتھ ذکرِ الٰہی، توحید، فقر، جذب و مستی، فلسفۂ وحدت الوجود، عشق، ذکر، فکر، پاکیزگی، فنافی اللہ، عمل، بیداری، زہد و تقویٰ، اخلاق، درد و فراق، رواداری، انسانی مساوات، ہمت، صبر، امید، دنیا کی بے ثباتی اور فکرِ آخرت کے صوفیانہ مضامین بڑے عرفانی اور وجدانی لہجے میں بیان کئے ہیں۔ ''سیف الملوک'' کی کرداری

پرتیں بھی گہرا روحانی علامتی رنگ وروپ رکھتی ہیں، جن میں عاصم شاہ ..... صبر، سیف الملوک ..... روح، بدیع الجمال ..... جمال خدا، شاہ مہرے ..... صدق وصفا، دریا سمندر ..... زندگی، پہاڑ جنگ ..... نئے جہان، بہرام دیو ..... شر، شاہپال دیو ..... خیر وغیرہ زندگی اور روحانی آگہی کی خوبصورت عکاسی کرتی ہیں۔آپ کے ہاں انسانی طبقاتی نظام کے خلاف بھرپور مزاحمتی رنگ بھی ملتا ہے۔آیئے آپ کی کلاسیکل شاعری کا کچھ آب حیات پیتے ہیں:

جھاں یک گھٹ بھر کے پیتا وحدت دے مدھ لالوں
علم کلام نہ یاد رہیو نے گزرے قال مقالوں (۶۰)

سن مرلی دی کوک کولوں درد وچھوڑا دکھ دا
سمجھا دا ایہہ حال محمد کہو کیہ حال منکھ دا (۶۱)

بات مجازی رمز حقانی ون وناں دی کاٹھی
سفر العشق کتاب بنائی سیف چھپی وچ لاٹھی (۶۲)

مردا ہمت ہار نہ مولے مت کوئی کہے نمردا
ہمت نال لگے جس لوڑے پائے باجھ نہ مردا (۶۳)

جس دل اندر عشق نہ رچیا کتے اس تھیں چنگے
خاوند دے در راکھی کردے صابر، بھکھے، ننگے (۶۴)

لوئے لوئے بھر لے کڑیئے جے تدھ بھانڈا بھرنا
شام پئی بن شام محمد گھر جاندی نے ڈرنا (۶۵)

دنیا تے جو کم نہ آیا اوکھے سوکھے ویلے
اس بے فیضے سنگی کولوں بہتر یار اکیلے (۶۶)

لکھ ہزار بہار حسن دی خاکو وچ سمائی
لا پریت محمد جس تھیں جگ وچ رہے کہانی (۶۷)

خواجہ غلام فریدؒ (۱۸۴۱ء تا ۱۹۰۱ء) (۶۸)

معروف چشتی درویش حضرت خواجہ غلام فریدؒ پنجابی کافی کے چوتھے بڑے عوامی کلاسیکل شاعر ہیں۔حضرت خواجہ غلام فریدؒ کو پنجابی کافی کا امام بھی کہا جاتا ہے آپ کے والد خواجہ خدا بخشؒ نامور اولی وبزرگ تھے۔خواجہ صاحب کا تاریخی نام ''خورشید عالم'' تھا مگر پنجاب میں چشتی سلسلے کے عظیم مبلغ درویش حضرت بابا فرید گنج شکرؒ سے خصوصی عقیدت کی وجہ سے آپ کا نام ''غلام فرید'' رکھا گیا۔آپ کی ظاہری وباطنی تعلیم وتربیت آپ کے بڑے بھائی خواجہ غلام فخر الدینؒ نے کی۔آپ نے کو خواجہ غلام فخر الدینؒ کی بیعت کی جنھوں نے آپ کو تصوف کی ساری منزلیں طے کروادیں۔خواجہ فخر الدینؒ کے وصال کے بعد آپ گدی نشین ہوئے۔حضرت خواجہ فریدؒ تاریخ جغرافیہ، فقہ، حدیث، تفسیر، تصوف، منطق، علم الانساب، رمل نجوم اور موسیقی کے عالم

تھے۔آپ کو عربی، فارسی، ہندی، مارواڑی، اردو اور پنجابی پر کامل دسترس تھی۔خواجہ صاحب نے پاک وہند کے کئی علاقوں کی سیاحت کی اور حج کی سعادت بھی حاصل کی۔آپ فطری مناظر کے دلدادہ تھے۔آپ نے روہی (چولستان) میں اٹھارہ سال گزارے، جہاں آپ ظاہری باطنی نظاروں میں مخمور ہے اور لازوال پیار یہ شاعری کی۔

خواجہ غلام فریدؒ کی عوامی پنجابی صوفیانہ شاعری پنجاب بھر میں مشہور و مقبول ہے۔پنجابی عرفانی کافی کا جو محل شاہ حسینؒ، بلھے شاہؒ اور سچل سرمستؒ نے تعمیر کر کے نکھارا سجایا، اسے اصول تاج محل بنانے کا سہرا خواجہ غلام فریدؒ کے سر سجتا ہے۔خواجہ صاحب نے پنجابی کافی کو تغزل کی چاشنی دے کر فکری اور فنی حوالے سے خوبصورت اور امیر بنا دیا ہے۔خواجہ صاحب کی صوفیانہ شاعری ..... حب الٰہی، حب رسولؐ، فقر، فلسفۂ وحدت الوجود، خودی، وجدان، عرفان، ذکر فکر، عاجزی، جذب و مستی، صبر، رضا، دنیا کی بے ثباتی، نفس کی پہچان اور روحانی وصال و فراق کے سرمست مضامین سے مالا مال ہے۔آپ ابن العربی کے فلسفۂ وحدت الوجود کے بے باک صوفی شاعر اور مبلغ ہیں۔۔فلسفۂ عشق، مرشد سے والہانہ پیار، روحانی درد و فراق اور ''روہی'' کی رنگ رنگیلی پُرسوز منظر یہ شاعری خواجہ فریدؒ کی لافانی اور کلاسیکل پہچان رکھتی ہے۔آپ کی مدھر موسیقی سے مخمور کلاسیکل شاعری قادر الکلامی، روانی، جادو بیانی اور عرفانی رمز بیانی کا ایک سرمست دریا ہے جو فہم و عرفان کی زمینوں کو سیراب کرتا چلا جاتا ہے۔ ''روہی'' کے حوالے سے مستی کی علامت سے معمور آپ کی فراقیہ شاعری سوز و گداز کے وہ لافانی گیت ہیں جو روح میں اترتے چلے جاتے ہیں۔آپ کی شاعری میں مستی، ہیر ..... روح پنل، رانجھا ..... خدا اور تھل ..... درد و فراق کی مجازی اور حقیقی علامتیں بن کر رمز و آگہی کے عرفانی رنگ میں جلوہ گر ہیں۔آپ نے اردو دیوان کے ساتھ ملفوظات بھی بیان کیے ہیں۔ خواجہ صاحب کا ملتانی لہجہ شیریں اور پُرکشش ہے۔آئیے آپ کی شاعری کا لطف اٹھاتے ہیں۔

ہے عشق دا جلوہ ہر ہر جا سبحان اللہ سبحان اللہ
خود عاشق خود معشوق بنا سبحان اللہ سبحان اللہ (۶۹)

سوہنے یار پنل دا ہر جا عین حضور
اول آخر، ظاہر باطن، اس دا جان ظہور
آپ بنے سلطان جہاں دا، آپ بنے مزدور
چشماں فخر الدین مٹھل دیاں، تن من کیتا چور (۷۰)

میڈا عشق وی توں میڈا یار وی توں
میڈا دین وی توں ایمان وی توں
میڈا جسم وی توں میڈا روح وی توں
میڈا قلب وی توں جند جان وی توں (۷۱)

عشق ہے دکھڑے دل دی شادی
عشق ہے رہبر، مرشد، ہادی
عشق ہے ساڈا پیر جنیں کل راز بجھایا (۷۲)

کیا حال سناواں دل دا کوئی محرم راز نہ مل دا
مونہہ دھوڑ مٹی سر پایم سارا ننگ نموز ونجایم
کوئی پچھن نہ ویہڑے آیم ہتھوں الٹا عالم کھل دا (۷۳)

روہی گزری ہے ساوی تر تے ولا ہوت مہاراں
کھمدیاں کھمن رنگیلو یاں رم جھم بارش باراں
سارے سکھ سہاگ تھے یار ملم آیاراں (۷۴)

مولوی غلام رسولؒ عالمپوری (۱۸۴۹ تا ۱۸۹۲ء) (۷۵)

قرآنی قصہ ''یوسف زلیخا'' المعروف ''احسن القصص'' کے شہرہ آفاق پنجابی کلاسیکل شاعر مولوی غلام رسولؒ عالمپوری زمانی اعتبار سے کلاسیکل پنجابی شاعری کے آخری عظیم صوفی شاعر شمار ہوتے ہیں۔ چھ ماہ کی عمر میں والدہ ماجدہ کے وصال کے بعد آپ کی پرورش آپ کے والد مراد بخش نے کی۔ ابتدائی تعلیم مولوی حامد اور مولوی عثمان سے حاصل کی فقہ، حدیث اور عربی فارسی میں کامل دسترس حاصل کی۔ صاحب کشف بزرگ تھے۔ قدرت کی طرف سے طبع موزوں اور عرفان و وجدان سے بھرپور عطا ہوئی۔ آپ نے معروف چشتی بزرگ حضرت نظام الدین اولیاؒ کے سجادہ نشین سے روحانی فیض حاصل کیا۔ روایت کے مطابق آپ ابدال کے مرتبہ پر فائز تھے۔ آپ نے مدرس اور امامت کا پیشہ اختیار کیا۔ دن رات لوگوں کو دین و دنیا کا علم بانٹتے اور انسانیت کی خدمت کرتے تھے۔ زود گو اور قادر الکلام شاعر تھے کہ مختصر عمر میں ہزاروں خوبصورت اشعار کہے۔ آپ کی کئی کرامتیں مشہور ہیں۔

مولوی غلام رسولؒ عالمپوری کی عوامی پنجابی کلاسیکل شاعری پنجاب بھر میں مشہور اور مقبول ہے۔ کچھ عرصہ پہلے تک پنجاب کی چوپالوں میں وارث شاہ کا قصہ ''ہیر'' اور مولوی صاحب کا قصہ ''یوسف زلیخا'' بڑے ذوق و شوق سے سنا جاتا تھا۔ ان قصوں کے حافظ اور ٹھیک جب مخصوص ترنم سے یہ قصے پڑھتے تو لوگوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ بندھ جاتے اور لوگ سانس لینا بھول جاتے۔ یوں تو مولوی صاحب نے ''احسن القصص'' کے علاوہ داستان امیر حمزہؓ (تین جلدیں)، چٹھیاں، سی حرفی ..... حلیہ شریف، سسی پنوں، چوپٹ نامہ، چندنامہ اور دوسرا کلام لکھا مگر آپ کو آفاقی شہرت ''احسن القصص'' اور اپنی عوامی چٹھیوں سے ملی ہے۔ مولوی صاحب نے یہ قرآنی قصہ ..... قرآن پاک کی سورہ یوسف، تفسیر امام غزالی، فارسی مثنوی جامی اور اسرائیلی روایات اخذ کر کے لکھا ہے۔ عرفانی اسرار و رموز سے پر اس آفاقی تخلیق میں مولوی صاحب نے با کمال قصہ نگاری، واقعہ نگاری، منظر نگاری، کردار نگاری، سراپا نگاری، مکالمہ نگاری اور درد نگاری کے ساتھ زبان و بیان کے اصول دریا بہا دیئے ہیں۔ آپ شعری صنعت نگاری کے بادشاہ لفظوں کے جادوگر اور حقائق و معارف کے مفسر ہیں۔ فارسی رچاؤ سے معمور آپ کی پر بلیغ مثنوی ''احسن القصص'' فکری اور فنی رنگارنگی کے وہ دربار ہے جس میں ہر رنگ کا پھول اور ہر قسم کی خوشبو موجود ہے۔ آپ نے حضرت یوسف کی پیغمبرانہ شان کو مدنظر رکھتے اور خیر و شر کی کشمکش دکھاتے ہوئے حضرت یوسف کو مرد مومن اور مرد پاکباز اور زلیخا کو پہلے گناہگار پھر بے چین روح کی علامت بنا کر پیش کیا ہے۔ آپ نے یہ فلسفہ اجاگر کیا ہے کہ انسان آزمائشوں کے بعد ہی کامل کامیاب انسان بنتا ہے اور دکھ انسان کو کندن بنا دیتے ہیں۔ آپ کی شاعری میں اسلامی تصوف کے سارے مضامین ..... حب الٰہی، حب رسولؐ، فقر، عشق کی اہمیت و سرمستی، فنافی اللہ، ذکر فکر، نفس کی پاکیزگی، خودی، صبر، توکل، شکر، رواداری، دنیا کی بے ثباتی، فکر آخرت، بندگی، عجز، عمل، وحدت الوجودی رنگ وغیرہ عرفانی لہجے میں بیان ہوئے ہیں، جو قلب و روح کو معطر

کرتے چلے جاتے ہیں۔آپ کے فکری جمال کے کچھ عکس دیکھئے:

عشق بھٹھا اخلاص نہلایا رنگیا رنگ شہودی
صدق صفا دی آب ہوائیں پلیا وچ خوشنودی
ازل ازالی ابد آبادی حمد دوام دوامی
وچ دربار وجوب غنا دے ایہہ سرسبز مدامی (۷۶)

عشق جہاں دل مردہ غافل کس گنتی وچ آوے
عشق دلاں نوں صقل غماں تھیں کر شمشیر وکھاوے
آتش عشق دکھاں دا دوزخ جل بل ہو انگیارا
ہو کے اگ سما وچ آتش تاں پاویں چھٹکارا (۷۷)

اے ساقی بھر جام شرابوں دے مخموراں تائیں
دل وچ درد ہویا انگیارا قطرہ گھت بجھائیں (۷۸)

یوسف پچھے دس زلیخا کدھر گئی جوانی
کہے زلیخا عشق تیرے تھیں کر چھڈی قربانی
یوسف پچھے دس زلیخا کتھے تیریاں شاناں
کہے زلیخا اوہ دن گذرے بدلیا ہور زمانہ (۷۹)

حکم الٰہی موڑ نہ سکدے توں میں تے جگ سارا
پوے مصیبت بندے تائیں باجھوں صبر نہ چارہ (۸۰)

بے ادباں مقصود نہ حاصل تے درگاہ نہ ڈھوئی
تے منزل مقصود نہ پہنچا باجھ ادب تھیں کوئی (۸۱)

ان بڑے پنجابی کلاسیکل پنجابی شعراء کے علاوہ بھی کچھ پنجابی شعراء میں کلاسیکل رنگ موجود ہے۔مگر ہم انہیں مکمل آفاقی کلاسیکل شاعر نہیں کہہ سکتے۔

المختصر یہ کہ پنجابی شعراء کی کلاسیکل شاعری کا اجمالی جائزہ لینے کے بعد یہ حقیقت مکمل علمی ادبی سچائی کے ساتھ ثابت ہوتی ہے کہ پنجابی کے صوفی آفاقی کلاسیکل شعراء نے انسانی کردار کی بھرپور تعمیر اور دلکش تزئین کیلئے تاریخی اور منفرد وفعال کردار ادا کیا ہے۔اس زندہ جاوید اور پرتاثیر تابندہ شاعری نے انسانی شعور اور فکر کی باکمال آبیاری کی ہے اور مثبت اقدار کا مقام معتبر بنا کر آدمیت کو بے پناہ توقیر دی ہے۔اس ابدی فلاحی شاعری نے جہاں انسانی سوچ کو توحید، پاکیزگی، ذکر فکر، فقر، صبر، عشق کی سرمستی، تحمل، عمل، اخلاق، بیداری، خودی، عرفان، ہمت، رواداری اور انسانی مساوات کی پُرلو روانش سے منور کیا ہے، وہاں اس انقلابی شاعری نے انسانی سماج میں خیر کی بھرپور طاقت بن کر سماجی، تہذیبی، معاشرتی، معاشی اور مذہبی ظلم وجبر، تعصب، نفرت،

استحصال اور ریا کاری کی کھل کر مذمت کی ہے۔ پنجابی صوفیانہ شاعری نے زندگی اور بندگی کی سچی اور ابدی درخشاں راہ دکھلا کر انسانیت پر احسانِ عظیم کیا ہے۔ کلاسیکل پنجابی شاعری نے نسلِ آدم کو ظاہری اور باطنی حوالے سے ایک نئی خوبصورت اور آئیڈیل دنیا بسانے کا فلاحی پیغام دیا ہے۔ جس میں شعور و آگہی اور عرفان و ایقان سے سرچار خوب سیرت زندگی مکمل توانائی اور رعنائی سے جلوہ گر ہے۔ بلاشبہ کلاسیکل پنجابی شاعری ..... عالمی ادبِ عالیہ کا انمول اور منفرد سرمایہ ہے، جس کا آفاقی اور عرفانی پیغام آدرشی فکر و فلسفے کی خوبصورت عکاسی کرتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ ڈاکٹر غفران سید، کلاسیکی ادب، عزیز بکڈپو چوک اُردو بازار لاہور ۱۹۷۳ء ص ۳۲

۲۔ پروفیسر محمد اسماعیل بھٹی، لعلاں دی پنڈ، (مرتب: اقبال صلاح الدین) عزیز بکڈپو اردو بازار لاہور ۱۹۷۳ء ص ۳۰۹

۳۔ عذرا وقار، تصوف کی پنجابی روایت، نگارشات، ٹمپل روڈ، لاہور ۱۹۹۵ء ص ۸

۴۔ علی عباس جلالپوری، وحدت الوجود تے پنجابی شاعری، پاکستان پنجابی ادبی بورڈ، لاہور ۱۹۹۳ء ص ۱۵۷

۵۔ عبدالغفور قریشی، پنجابی ادب دی کہانی، عزیز بکڈپو چوک اردو بازار لاہور ۱۹۷۲ء ص ۱۳۵

۶۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی، تاریخ تصوف، دارالکتاب، اردو بازار لاہور، سن درج نہیں، ص ۱۲

۷۔ ڈاکٹر لاجونتی رام کرشن، پنجابی کے صوفی شاعر، (اردو ترجمہ: امجد علی بھٹی) بک ہوم، مزنگ روڈ، لاہور ۲۰۰۲ء ص ۲۶

۸۔ محمد آصف خاں، (مرتب) آکھیا بابا فریدؒ نے، پاکستان پنجابی ادبی بورڈ، لاہور ۱۹۷۸ء ص ۲۵

۹۔ بابا فریدؒ گنج شکر، آکھیا بابا فریدؒ نے، ایضاً، ص ۱۳۹

۱۰۔ ایضاً، ص ۱۷۲

۱۱۔ ایضاً، ص ۱۶۰

۱۲۔ ایضاً، ص ۱۸۲

۱۳۔ ایضاً، ص ۲۳۰

۱۴۔ ڈاکٹر نذیر احمد، (مرتب) کلام شاہ حسینؒ، پیکجز لمیٹڈ، لاہور ۱۹۷۹ء ص ۵

۱۵۔ شاہ حسینؒ، کلام شاہ حسین، ایضاً، ص ۵۷، ۵۸

۱۶۔ ایضاً، ص ۶۹

۱۷۔ ایضاً، ص ۱

۱۸۔ ایضاً، ص ۲۷

۱۹۔ ایضاً، ص ۵۸

۲۰۔ عبدالغفور قریشی، پنجابی ادب دی کہانی، ص ۲۵۸

۲۱۔ سلطان باھوؒ، کلام باھوؒ (مرتب: ڈاکٹر نذیر احمد) پیکجز لمیٹڈ، لاہور ۱۹۸۱ء ص ۱

۲۲۔ ایضاً، ص ۹

۲۳۔ سلطان باھوؒ، کلام باھوؒ، ص ۱۲

۲۴۔ ایضاً، ص ۸۲

۲۵۔ ایضاً، ص ۷

۲۶۔ ایضاً، ص ۴۰

۲۷۔ حمید اللہ ہاشمی، پنجابی زبان و ادب، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، ۱۹۸۸ء، ص ۱۵۲، ۱۵۳
۲۸۔ بلھے شاہؒ، آکھیا بلھے شاہؒ نے، (مرتب: محمد آصف خاں) پاکستان پنجابی ادبی بورڈ، لاہور ۱۹۹۲ء، ص ۵۷
۲۹۔ ایضاً، ص ۱۸۶
۳۰۔ ایضاً، ص ۱۳۶
۳۱۔ ایضاً، ص ۲۵۲
۳۲۔ ایضاً، ص ۱۰۱
۳۳۔ غلام رسول حسرت، لعل ہیرے، حسرت سنز اینڈ کمپنی، پیر محل لائل پور (فیصل آباد)، ۱۹۷۳ء، ص ۷، ۸
۳۴۔ علی حیدرؒ، کلیات علی حیدرؒ (مرتب: ڈاکٹر فقیر محمد فقیر) پنجابی ادبی اکیڈمی، لاہور ۱۹۶۳ء، ص ۱۰۲
۳۵۔ ایضاً، ص ۳۲
۳۶۔ ایضاً، ص ۶۹
۳۷۔ ایضاً، ص ۱۱۷
۳۸۔ ایضاً، ص ۶۹
۳۹۔ عبدالغفور قریشی، پنجابی ادب دی کہانی، ص ۳۰۰، ۳۰۲
۴۰۔ وارث شاہؒ، ہیر وارث شاہ (مرتب: شیخ عبدالعزیز)، پنجند اکیڈمی، دوسو ریپلی، لاہور ۱۹۸۷ء (بار دوم)، ص ۱
۴۱۔ ایضاً، ص ۴۸
۴۲۔ ایضاً، ص ۱۳۹
۴۳۔ ایضاً، ص ۱۴۰
۴۴۔ ایضاً، ص ۳۳۰
۴۵۔ ایضاً، ص ۱۱۷
۴۶۔ ایضاً، ص ۳۹۰
۴۷۔ حمید اللہ شاہ ہاشمی، پنجابی زبان و ادب، ص ۱۷۷
۴۸۔ ہاشم شاہؒ، لکارے (مرتب: ڈاکٹر فقیر محمد فقیر) پاکستان پنجابی ادبی بورڈ، لاہور ۱۹۸۷ء، ص ۷۷
۴۹۔ ایضاً، ص ۴۲
۵۰۔ ایضاً، ص ۴۷
۵۱۔ ایضاً، ص ۳۰
۵۲۔ ایضاً، ص ۱۰۱
۵۳۔ عبدالغفور قریشی، پنجابی ادب دی کہانی، ص ۳۱۵، ۳۱۶
۵۴۔ سچل سرمستؒ، آکھیا سچل سرمستؒ نے، (مرتب: شفقت تنویر مرزا) پاکستان پنجابی ادبی بورڈ، لاہور ۱۹۹۶ء، ص ۳۶۶
۵۵۔ ایضاً، ص ۴۴۰
۵۶۔ ایضاً، ص ۱۰۲
۵۷۔ ایضاً، ص ۱۴۸
۵۸۔ ایضاً، ص ۷۸
۵۹۔ حمید اللہ شاہ ہاشمی، پنجابی زبان و ادب، ص ۲۰۳
۶۰۔ میاں محمد بخشؒ، سیف الملوک (مرتب: اقبال صلاح الدین)، عزیز پبلشرز، اردو بازار لاہور ۱۹۹۶ء، ص ۳۳
۶۱۔ ایضاً، ص ۴۳۷
۶۲۔ ایضاً، ص ۴۷

۶۳۔ میاں محمد بخش، سیف الملوک، (مرتب: اقبال صلاح الدین) ص ۲۶
۶۴۔ ایضاً، ص ۳۵
۶۵۔ ایضاً، ص ۲۴۳
۶۶۔ ایضاً، ص ۲۴۳
۶۷۔ ایضاً، ص ۲۴۳
۶۸۔ عبدالغفور قریشی، پنجابی ادب دی کہانی، ص ۳۸۶
۶۹۔ خواجہ غلام فریدؒ، آکھیا خواجہ غلام فریدؒ نے (مرتب: محمد آصف خاں) پاکستان پنجابی ادبی بورڈ، لاہور ۱۹۹۴ء ص ۴۷۲
۷۰۔ ایضاً، ص ۱۲۶
۷۱۔ ایضاً، ص ۲۴۳
۷۲۔ ایضاً، ص ۵۵
۷۳۔ ایضاً، ص ۶۳، ۶۴
۷۴۔ ایضاً، ص ۲۱۸
۷۵۔ عبدالغفور قریشی، پنجابی ادب دی کہانی، ص ۳۹۴، ۳۹۵
۷۶۔ مولوی غلام رسول عالمپوریؒ، احسن القصص، پنجابی ادبی اکیڈمی، لاہور ۱۹۶۱ء ص ۱
۷۷۔ ایضاً، ص ۹، ۱۰
۷۸۔ ایضاً، ص ۵۱
۷۹۔ ایضاً، ص ۴۷۲، ۴۷۳
۸۰۔ ایضاً، ص ۶۲
۸۱۔ ایضاً، ص ۳۱۶